© rasailojaraid.com

شیخ الحدیث حافظ عبدالعزیز علوی حفظہ اللہ
جامعہ سلفیہ

ہم صرف کتاب وسنت کے نفاذ کا مطالبہ کیوں کرتے ہیں......؟

الحمدلله وكفى والصلوة والسلام على عباده الذين اصطفى اما بعد

مسلمانوں کی قوت وطاقت' عزت وعظمت کا دارومدار اتفاق واتحاد اور وحدت و یگانگت پر ہے۔ اس لئے قرآن مجید نے اس کو بہت اہمیت دی ہے اور اتفاق واتحاد قائم کرنے کیلئے ایک عملی اور ایک علمی وفکری اساس و بنیاد فراہم کی ہے۔ وحدت و یگانگت کیلئے فکری وحدت ضروری ہے' جو سب کیلئے مرکز بن سکے۔ جب تک ایک ایسا مرکز نہ ہو' جو سب کیلئے قابل قبول ہو' وحدت قائم نہیں ہو سکتی۔ اس لئے قرآن نے اتفاق واتحاد کی دعوت دینے کے ساتھ ساتھ' ایک مرکز پیش کیا ہے اور بتایا ہے کہ یہ ایک ایسا مرکز ہے' جس سے پہلے بھی فائدہ اٹھا کر افتراق وانتشار اور عداوت وعناد سے بچ کر اخوت اور بھائی چارہ قائم کیا جا چکا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿يا ايها الذين امنوا اتقوا الله حق تقته ولا تموتن الا وانتم مسلمون ٥ واعتصموا بحبل الله جميعا ولا تفرقوا واذكروا نعمة الله عليكم اذ كنتم اعداء فالف بين قلوبكم فاصبحتم بنعمته اخوانا وكنتم على شفا حفرة من النار فانقذكم منها كذالك يبين الله لكم ايته لعلكم تهتدون٥﴾ (آل عمران ۱۰۲'۱۰۳)

''اے ایمان والو اللہ سے ڈرو جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے اور نہ مرو تم مگر اس حال میں کہ تم اطاعت گزار ہو اور اللہ کی رسی کو مضبوطی سے سب مل کر پکڑ لو اور الگ الگ نہ ہو اور اپنے اوپر اللہ تعالیٰ کے احسان کو یاد کرو کہ تم ایک دوسرے کے دشمن تھے تو اللہ تعالیٰ نے تمہارے دلوں کو ایک ساتھ جوڑ دیا اور تم اس کے فضل سے بھائی بھائی بن گئے اور تم آگ کے ایک گڑھے کے کنارے پر تھے تو اللہ تعالیٰ نے تمہیں اس سے بچا لیا۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ تمہارے لئے اپنی ہدایات واضح فرماتا ہے تاکہ تم راہ یاب ہو۔''

ان آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے دو چیزوں کا حکم دیا ہے۔ تقویٰ اور اعتصام بحبل اللہ اور پھر اس کا دینوی واخروی ثمرہ بیان کیا ہے۔

پہلی چیز تقویٰ ہے۔ اس کے بارے میں فرمایا اللہ تعالیٰ سے اس طرح ڈرو' جس طرح اس سے ڈرنے کا حق ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ سے ڈرنا اس حد تک مطلوب ہے' جس حد تک انسان کی وسعت وقدرت ہے۔ جیسا کہ دوسری جگہ فرمایا ﴿فاتقوا الله ما استطعتم﴾ کہ اللہ تعالیٰ سے مقدور بھر ڈرو اور تقویٰ اس بیداری کا نام ہے' جو انسان کو اللہ تعالیٰ کی عظمت وکبریائی اور اس کے جلال وجمال کی بناء پر اس کے قہر وغضب سے بچائے۔ اس کے مقرر کردہ حدود وقیود کی مخالفت سے احتراز پر آمادہ کرے اور اس کے احکام و تعلیمات کی خلاف ورزی سے ہر خلوت وجلوت میں اجتناب واحتیاط کی قوت پیدا کرے اور حق تقاتہ میں اس طرف اشارہ ہے کہ اللہ سے ڈرتے وقت ان اصولوں کو ملحوظ خاطر رکھو۔

(۱) کہ وہ تمہارا خالق ومالک ہے۔ اس لئے اس کے جس قدر حقوق ہیں' وہ کسی اور کے نہیں ہو سکتے۔

(۲) اس نے تمہیں زندگی دی' اس کیلئے اسباب و وسائل مہیا فرمائے' تمہارے اندر ان اسباب و وسائل سے فائدہ اٹھانے کی صلاحیت واستعداد رکھی۔

﴿والله اخرجكم من بطون امهتكم لا تعلمون شيئا وجعل لكم السمع والابصار والافئدة لعلكم تشكرون٥﴾ (النحل:۷۸)

''اور اللہ ہی نے تمہیں تمہاری ماؤں کے پیٹوں سے نکالا اور تمہارے لئے ساعت اور بینائی اور دل پیدا کئے' تاکہ تم شکر گزار بنو۔''

(۳) وہ خالق فطرت ہونے کی وجہ سے تمہاری ضروریات وحاجات کو جانتا ہے۔ اس لئے تمہاری فطری ضروریات ومطالبات کا لحاظ رکھتے ہوئے تمہیں ہدایات دی ہیں:

﴿الا يعلم من خلق و هو اللطيف الخبير﴾ (الملک:۱۴)

''کیا جس نے پیدا کیا ہے وہ واقف نہیں ہے وہ تو باریک بین اور باخبر ہے۔''

(۴) اس نے جو ہدایات وتعلیمات دی ہیں اور جو حدود وقیود قائم کی ہیں' ان کے قیام میں انسان کی اپنی اخروی اور دنیاوی فلاح وکامرانی ہے۔ ان کی پابندی سے اس کو کوئی فائدہ نہیں پہنچتا' بلکہ وہ تو بے نیاز وستودہ صفات ہے۔

﴿يا ايها الناس انتم الفقراء الى الله والله هو الغنى الحميد﴾ (فاطر:۱۵)

''اے لوگو! تم ہی اللہ کے محتاج ہو اور اللہ تمام تر خوبیوں والا اور بے نیاز ہے۔''

﴿ومن جاهد فانما يجاهد لنفسه ان الله لغنى عن العلمين﴾ (عنکبوت:۶)

جو کوئی محنت وکوشش کرتا ہے' وہ تو بس اپنے نفع ہی کیلئے محنت کرتا ہے۔ بے شک اللہ سارے عالم سے بے نیاز ہے۔ اگر انسان ان حدود کو توڑے گا تو اپنا ہی نقصان کرے گا۔ اللہ تعالیٰ کا کچھ نہیں بگاڑ سکے گا۔

﴿وقال موسى ان تكفروا انتم ومن فى الارض جميعا فان الله لغنى حميد﴾ (ابراہیم:۸)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

''اور موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا اگر تم اور زمین کے سارے لوگ بھی ناشکری کرو تو اللہ بالکل بے احتیاج اور ستودہ صفات ہے۔''

(۵) وہ ہر جگہ نگران ہے۔کوئی چیز اس سے مخفی نہیں' نہ زمین میں نہ آسمان میں۔ وہ تو سمیع و بصیر ہر چیز سنتا' دیکھتا ہے۔حتیٰ کہ دلوں کے وسوسوں سے آگاہ ہے۔

﴿انه علیم بذات الصدور﴾

''وہ بے شک دلوں کے اندر کی باتوں سے واقف ہے۔''

اس کی پکڑ سے کوئی دوسرا نہیں بچا سکتا۔وہ دنیا و آخرت دونوں میں سزا دے سکتا ہے۔جب چاہے' جسے چاہے پکڑ سکتا ہے۔

﴿وهو یجیر ولا یجار علیه ان کنتم تعلمون﴾ (مومنون:۸۸)

''وہ پناہ دیتا ہے اور کوئی اس کے مقابلہ میں پناہ نہیں دے سکتا۔اگر تم جانتے ہو۔''

وہ عزیز ہے' کمزور و ناتواں نہیں جو اس کی تعلیمات اور ہدایات کی پابندی نہیں کرے گا۔ وہ اسے پکڑ لے گا' لیکن اس کے ساتھ ساتھ حکیم ہے۔ہر کام حکمت سے کرتا ہے۔وہ بسا اوقات اہل حق کو کسی آزمائش میں ڈالتا ہے اور شیطان کے پیروکاروں کو مہلت دیتا ہے' اس سے اہل حق کو مایوس نہیں ہونا چاہیے اور اہل باطل کو مغرور نہیں' آزمائش اور مہلت دونوں اس کی حکمت پر مبنی ہیں۔خدا سے ڈرنے میں جب تک انسان ان تمام پہلوؤں کو مدنظر نہیں رکھتا وہ ڈرنے کا حق ادا نہیں کر سکتا اور پھر فرمایا:

﴿ولا تموتن الا وانتم مسلمون﴾

(آل عمران:۱۰۲)

''کہ تمہاری موت اس حالت میں آئے کہ تم اسلام پر قائم ہو۔''

جس نے یہ حقیقت واضح کر دی ہے' کہ خدا سے ڈرنا عارضی اور وقتی چیز نہیں ہے' یہ زندگی بھر کا معاملہ ہے۔اسی پر جینا اور اسی پر مرنا ہے۔زندگی کی کسی بھی گھڑی میں انسان کو اسے نظر انداز نہیں کرنا چاہیے۔کیا معلوم کب بلاوا آ جائے اور انسان کو چلنا پڑے۔اس لئے ابن عباس فرماتے ہیں' حق تقویٰ یہ ہے کہ ہر حالت میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی جائے۔اس کی نافرمانی نہ کی جائے۔ہر وقت اس کو یاد رکھا جائے اور کسی حالت میں بھی اس سے غافل نہ ہوا جائے۔

﴿ان یطاع ولا یعصی وان یذکر ولا ینسی﴾

اس کے بعد فرمایا

﴿واعتصموا بحبل الله جمیعا﴾

کہ تقویٰ کے قائم کرنے اور اس کا حق ادا کرنے کی صورت یہ ہے کہ سب مل کر اللہ تعالیٰ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو۔یہی اللہ کی رسی ہے' جو تمہیں اس سے جوڑ دے گی اور تمہیں آپس میں بھی جوڑ دے گی کیونکہ

﴿ان الذین امنوا وعملو الصلحت سیجعل لهم الرحمن وُدًا﴾ (مریم:۹۶)

بے شک جو لوگ ایمان لائے اور اس کے مناسب کام کیے' اللہ تعالیٰ ان میں محبت و الفت پیدا کر دے گا' گویا مسلمانوں کی شیرازہ بندی کی صورت یہی ہے کہ وہ اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑ لیں اور اللہ کی یہ رسی کتاب اللہ ہے۔اس کو چھوڑ کر پراگندہ اور الگ الگ نہ ہوں۔

﴿ولا تفرقوا﴾ کہ اس کو چھوڑ کر تفرقہ بازی اور گروہ بندی کا شکار نہ ہوں۔فرمایا:

﴿ان الذین فرقوا دینهم وکانوا شیعا لست منهم فی شیء انما امرهم الی الله ثم ینبئهم بما کانوا یفعلون﴾ (انعام:۱۵۹)

بے شک جنہوں نے دین کے حصے بخرے کیے (اور اپنا حصہ لے کر) گروہ گروہ بن گئے۔آپ کا ان سے کوئی تعلق نہیں۔ان کا معاملہ بس اللہ کے حوالے ہے۔پھر وہی انہیں بتلائے گا وہ جو کچھ کرتے رہے ہیں' اس آیت نے یہ حقیقت آشکارا کر دی کہ اللہ کی رسی کے پکڑنے میں ضعف پیدا ہو گا یا اس کی جگہ کسی اور رسی کا سہارا لیا تو وہ منتشر اور پراگندہ ہو جائیں گے۔کوئی چیز انہیں متحد و متفق نہ رکھ سکے گی۔

آخر میں فرمایا:

﴿واذکروا نعمت الله علیکم﴾

اللہ کے اس احسان کو یاد کرو کہ اس نے تمہیں اپنی رسی پکڑا دی اور تم نے اس کو تھام لیا اور تمہاری آپس میں دشمنیاں اور رنجشیں ختم ہو گئیں۔اللہ کی رسی نے تمہیں ایک رشتہ میں پرو دیا۔تم ایک دوسرے کے جانی دشمن تھے' لیکن اس کی برکت سے جگری دوست اور غمخوار بھائی بن گئے۔اب اگر تم اس حالت کو برقرار رکھنا چاہتے ہو تو اس حبل اللہ کے ساتھ وابستگی کو قائم رکھو۔اگر یہ رشتہ کمزور ہوا تو تمہاری یہ حالت قائم نہیں رہ سکے' کیونکہ حبل اللہ کے سوا دنیا بھر کی کوششیں اس اتحاد و اخوت کو قائم نہیں رکھ سکتیں۔

﴿هو الذی ایدک بنصره وبالمومنین والف بین قلوبهم لو انفقت ما فی الارض جمیعا ما الفت بین قلوبهم.... الایه﴾ (انفال:۶۳)

وہی ہے جس نے آپ کو اپنی نصرت اور مومنین کے ذریعہ قوت بخشی اور ان کے دلوں میں الفت پیدا کر دی' اگر آپ دنیا بھر کا مال صرف کر دیتے' جب بھی ان کے دلوں میں اتفاق و اتحاد پیدا نہ کر سکتے' لیکن اللہ نے ان میں پیدا کر دیا ہے۔بے شک وہ بڑا قدرت والا اور حکمت ہے۔

گویا حضور ﷺ جیسا مشفق و مہربان اپنی ساری توانائیاں صرف کر دیتا۔ان کے سامنے مال و دولت کے ڈھیر لگا دیتا' وہ ان کو متفق و متحد نہ کر سکتا' لیکن یہ اللہ کی رسی ہے۔اس کا قرآن ہے' جس نے یہ اعجاز رونما کیا' اس کو چھوڑ دیا گیا یا اس کو نظر انداز کر دیا گیا' تو اتفاق و اتحاد برقرار نہیں رہ سکتا کیونکہ جب ایک مرکز نہ رہا تو وحدت کیسے قائم رہ سکتی ہے۔وحدت و اتفاق کا قیام مرکز کا رہین منت ہے۔اس کے بغیر یہ شیرازہ قائم نہیں رہ سکتا۔اس لئے حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

﴿ترکت فیکم امرین لن تضلوا ما تمسکتم بھما کتاب اللہ وسنۃ رسولہ﴾

''میں نے تم میں دو چیزیں چھوڑی ہیں' جب تک ان دونوں کو مضبوطی سے پکڑو گے راہِ راست سے ہٹو گے نہیں۔''

حبل اللہ یعنی قرآن کی توضیح وتشریح جو رسول اللہ ﷺ نے نمائندہ خدا ہونے کی حیثیت سے کی ہے۔ اس کا نام سنت ہے۔ اس کے بغیر کتاب اللہ کو تھامنا ممکن نہیں۔ اس لئے قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے:

﴿یا ایھا الذین امنوا اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم فان تنازعتم فی شیء فردوہ الی اللہ والرسول ان کنتم تومنون باللہ والیوم الاخر ذالک خیر واحسن تاویلا﴾ (نساء:۵۹)

''اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور اپنے اہل علم اور ارباب اختیار کی پس اگر تم میں باہمی اختلاف ہو جائے' کسی چیز میں تو اس کو اللہ اور رسول کی طرف لوٹاؤ' اگر تم اللہ اور روز آخرت پر ایمان رکھتے ہو یہی بہتر ہے اور انجام کے لحاظ سے خوش تر۔''

اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کا حکم دیا گیا ہے کیونکہ وہ کتاب کو لانے والے ہیں اور اس کی تفصیل وتفسیر اللہ کی منشا کے مطابق کرنا اس کا فریضہ ہے۔ اس لئے اس کی اطاعت اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے۔

﴿من یطع الرسول فقد اطاع اللہ﴾ (نساء:۸۰)

''جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی''

آپ ﷺ نے فرمایا:

﴿من اطاعنی فقد اطاع اللہ ومن عصانی فقد عصی اللہ﴾ (صحیح بخاری)

''جس نے میری اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی اور جس نے میری نافرمانی کی تو اس نے اللہ کی نافرمانی کی۔

پھر چونکہ اللہ اور رسول کے احکام کی تنفیذ اور اس سے استنباط واستخراج ارباب اقتدار اور اہل علم کا کام ہے۔ اس لئے فرمایا کہ ﴿واولی الامر منکم﴾ اپنے اہل علم اور ارباب اختیار کی اطاعت کرو۔ لیکن اہل علم اور استنباط و استخراج میں یا ارباب اقتدار میں آپس میں اختلاف ہو سکتا ہے۔ اس لئے فرمایا اختلاف کو ختم کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اس کو اللہ کی کتاب اور رسول کی سنت کی طرف لوٹاؤ۔ جس سے یہ معلوم ہوا' اصل مطاع اللہ تعالیٰ ہے اور اس کا رسول ﷺ اس کا نمائندہ ہونے کی حیثیت سے مطاع ہے۔ اہل علم کا کام ان کی تطبیق ہے۔ اہل اقتدار کا کام اس کا نفاذ' ان میں سے کوئی کسی مستقل حیثیت سے مطاع نہیں۔ اگر اس کی بات کتاب وسنت کے مطابق ہے تو قابل قبول ہے۔ ورنہ مردود اور آپ نے اس آیت کی توضیح میں فرمایا:

﴿لیاتین علی امتی کما اتی علی بنی اسرائیل حذو النعل بالنعل حتی ان کان فیھم من اتی امہ علانیۃ لکان من امتی من یصنع ذالک وان بنی اسرائیل تفرقت علی ثنتین وسبعین ملۃ وتفترق امتی علی ثلاث وسبعین ملۃ کلھم فی النار الا واحدۃ قالوا من ھی یا رسول اللہ قال ما انا علیہ واصحابی﴾

''میری امت ضرور بنو اسرائیل کے حالات سے گزرے گی جیسا کہ جوتا جوتے کے برابر ہوتا ہے۔ اگر ان میں سے کسی نے کھلم کھلا اپنی ماں سے تعلقات قائم کئے تو میری امت میں بھی یہ حرکت کرنے والا ہوگا اور بنو اسرائیل بہتر (۷۲) فرقوں میں بٹے اور میری امت تہتر (۷۳) فرقوں میں تقسیم ہوگی۔ ایک کے سوا سب دوزخی ہوں گے۔ عرض کیا گیا وہ کون سا فرقہ ہے۔ فرمایا جو میری اور میرے صحابہ کی ڈگر پر چلا۔''

دوسری جگہ آپ نے فرمایا:

﴿فانہ من یعش منکم بعدی فسیری اختلافا کثیرا فعلیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین المھدیین عضوا علیھا بالنواجذ وایاکم والمحدثات فان کل محدثۃ بدعۃ قال ابوعاصم مرۃ وایاکم ومحدثات الامور فان کل بدعۃ ضلالۃ﴾

''بات یہ ہے کہ تم میں سے جو میرے بعد زندہ رہا وہ بہت اختلافات کا مشاہدہ کرے گا۔ پس تم میرے اور میرے خلفاء جو راہِ راست پر چلنے والے ہدایت یافتہ ہیں' کا طریقہ اپنانا اور اس کو مضبوطی سے پکڑ لینا اور نئی نئی چیزوں سے بچنا کیونکہ (دین میں) ہر نئی چیز ایجاد بندہ ہے۔ ابو عاصم نے ایک دفعہ یہ الفاظ کہے نئے نئے کاموں سے بچنا کیونکہ ہر ایجاد بندہ گمراہی ہے۔''

ان حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ افتراق وانتشار سے نکلنے اور اتحاد واتفاق قائم رکھنے کی واحد صورت یہی ہے کہ آپ کے خلفاء اور صحابہ کرام کا طرز عمل اختیار کیا جائے۔ آئیں دیکھیں کہ مسائل کے حل کیلئے خلفاء کا رویہ یا طرز عمل کیا تھا۔

میمون بن مہران بیان کرتے ہیں:

﴿کان ابوبکر اذا وردعلیہ الخصم نظر فی کتاب اللہ فان وجد فیہ ما یقضی بینھم قضی بہ وان لم یکن فی کتاب اللہ وعلم من رسول اللہ فی ذالک الامر سنۃ قضی بہ فان اعیاہ خرج فسأل المسلمین وقال اتانی کذا وکذا فھل علمتم ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قضی فی ذالک بقضاء فربما اجتمع علیہ النفر کلھم یذکر من رسول اللہ فیہ قضاء فیقول ابوبکر الحمدللہ الذی جعل فینا من یحفظ علینا سنۃ نبینا فان أعیاہ ان یجد فیہ سنۃ من رسول جمع رؤوس الناس وخیارھم فاستشارھم فاذا اجتمع رأیھم علی الامر قضی بہ﴾ (سنن دارمی ج ا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ص۵۳-۵۴)

''حضرت ابوبکرؓ کے پاس جب دوفریق آتے تو کتاب اللہ پر نظر ڈالتے' اگر ان کے مسئلہ کا حل اس میں مل جاتا تو اس کے مطابق فیصلہ کر دیتے' اگر اللہ کی کتاب میں صریح حل نہ ہوتا اور نبی کریم ﷺ کی سنت سے حل معلوم ہو جاتا تو اس کے مطابق فیصلہ کر دیتے۔ اگر اس میں بھی کامیاب نہ ہوتے تو عدالت سے نکل کر مسلمانوں سے سوال کرتے کہ فلاں فلاں مسئلہ درپیش ہے' تو کیا اس کے بارے میں تم نبی اکرم ﷺ کا کوئی فیصلہ جانتے ہو تو بعض دفعہ بہت سے لوگ آ کر نبی اکرم ﷺ کا فیصلہ بتاتے تو آپ اللہ کا شکر ادا کرتے کہ اس نے پیغمبر کا طریقہ یاد رکھنے والے پیدا کیے ہیں۔ اگر اس طرح بھی حضور کا فیصلہ معلوم کرنے سے عاجز آ جاتے تو امراء اور منتخب لوگوں کو جمع کر کے مشورہ کرتے' جب وہ کسی رائے پر مجتمع ہو جاتے تو اس کے مطابق فیصلہ کر دیتے۔

قاضی شریح بیان کرتے ہیں:

﴿ان عمر بن الخطاب کتب الیه ان جاء ک شیء فی کتاب الله فاقض به ولا یلتفتک عنه الرجال فان جاء ک ما لیس فی کتاب الله فانظر سنة رسول الله فاقض بها فان جاء ک ما لیس فی کتاب الله ولم یکن فیه سنة من رسول الله فانظر ما اجتمع علیه الناس فخذ به فان جاء ک ما لیس فی کتاب الله ولم یکن فیه سنة رسول الله صلی الله علیه وسلم ولم یتکلم فیه احد قبلک فاختر ای الامرین شئت ان شئت ان تجتهد برأیک ثم تقدم فتقدم وان شئت ان تتاخر فتاخر ولا اری التاخیر الا خیر الک﴾

(سنن دارمی: ص ۵۵)

''حضرت عمرؓ نے انہیں لکھا اگر تیرے پاس کوئی مسئلہ آئے' جس کے بارے میں کتاب اللہ میں حکم موجود ہے' تو اس کے مطابق فیصلہ کرو' لوگوں کی آراء کی بناء پر اسے نظر انداز نہ کرو۔ اگر ایسا مسئلہ آئے' جس کا حل کتاب اللہ میں نہیں ہے' تو رسول اللہ ﷺ کی سنت پر نظر دوڑاؤ اور اس کے مطابق فیصلہ کرو' اگر ایسا مسئلہ درپیش ہو' جس کا حل کتاب و سنت میں موجود نہیں تو دیکھیے صحابہ کرام کا اتفاق کس چیز پر ہوا ہے' اسے اپنا لیجیے۔ اگر ایسا مسئلہ ہو کہ اللہ کی کتاب رسول اللہ ﷺ کی سنت اس کے بارے میں خاموش ہے اور تجھ سے پہلے کسی نے اس مسئلہ پر گفتگو نہیں کی (رائے قائم نہیں کی) تو دو باتوں میں سے ایک کا انتخاب کر لیجیے۔ اپنی رائے سے کام لینا چاہو تو ایسا کر لو' اگر توقف کرنا چاہو تو رک جاؤ اور میرے خیال میں رائے قائم کرنے سے باز رہنا تیرے حق میں بہتر ہے۔

بعض دوسرے صحابہ کرام سے بھی یہ طرز عمل منقول ہے۔ (تفصیل کیلئے دیکھئے سنن دارمی ج ا' ص ۵۴-۵۵)

جس سے یہ حقیقت کھلتی ہے کہ واجب الاتباع چیز صرف کتاب و سنت ہے' لیکن اس سے یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ ایسے مسائل آ سکتے ہیں' جہاں کتاب و سنت کا صریح حکم موجود نہ ہو' کیونکہ کتاب و سنت کی نصوص محدود ہیں اور واقعات و حوادث یا مسائل لامحدود' جب تک دنیا قائم ہے حوادث اور مسائل پیدا ہوتے رہیں گے اور ان کے حل کیلئے کتاب و سنت سے استنباط و استخراج کی ضرورت پیش آتی رہے گی۔ یہ ممکن نہیں ہے کہ کوئی ایسا دور آئے' جس میں کوئی نیا مسئلہ پیدا نہ ہو اور کتاب و سنت سے استنباط و استخراج کی ضرورت نہ رہے۔

جب یہ صورت حال ہے تو پھر کسی خاص مکتبہ فکر یا کسی فقہی مذہب کو کیسے اپنایا جا سکتا ہے۔ کیا ائمہ اربعہ کے بعد جدید مسائل پیدا نہیں ہوئے۔ جب خلفاء اور صحابہ کرام اجتماعی رائے کو ترجیح دیتے تھے تو اب کسی ایک امام کی ہی فقہ پر کیوں اڑا جائے۔ ابوبکر و عمر تو اہل علم اور اصحاب رائے کے مشورہ سے کسی مسئلہ کا حل نکالیں اور اپنی انفرادی رائے کا لوگوں کو پابند نہ بنائیں۔ نیز صحابہ کرام کے فیصلہ جات تو تمام مسائل کا حل پیش نہ کر سکیں' لیکن کچھ عرصہ بعد آنے والے آئمہ کے اجتہادات کفایت کر سکیں' جب کہ آئمہ خود وہ طرز عمل اختیار کرتے تھے' جو خلفاء و صحابہ نے اختیار کیا۔ وہ کسی کو اپنی رائے کا پابند نہیں بناتے تھے۔ وہ مسائل کا حل کتاب و سنت کی روشنی میں یا اقوال صحابہ کی روشنی میں پیش فرماتے تھے۔ کتاب و سنت اور اقوال صحابہ میں مسئلہ کا حل موجود نہ ہوتا تو اپنی رائے پیش فرماتے' لیکن اپنی تقلید سے منع کرتے تھے۔ سب سے پہلے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ میں ابن حجر مکی شافعی آپ کا طرز فکر اور طریقہ استنباط و استخراج نقل کرتے ہیں۔

﴿وقد جاء عن ابی حنیفة من طرق کثیرة ما ملخصه انه اولا یا خذ بما فی القرآن فان لم یجد فبالسنة فان لم یجد فبقول الصحابة فان اختلفوا اخذ بما کان اقرب الی القرآن او السنة ولم یخرج عنهم فان لم یجد لا حد منهم قولا لم یاخذ بقول احد من التابعین بل یجتهد کما اجتهدوا﴾ (مقدمہ فتاوی دیوبند ج ا' صفحہ ۶۳)

امام ابوحنیفہ کے بارے میں کئی سندوں سے منقول ہے' جس کا خلاصہ یہ ہے' پہلے آپ قرآن کا بیان کردہ حکم قبول کرتے اور اس میں نہ ہوتا تو سنت کو اختیار کرتے۔ اگر سنت سے بھی حکم معلوم نہ ہوتا تو صحابہ کرام کا متفقہ فیصلہ قبول کر لیتے۔ اگر ان میں اختلاف ہوتا تو جس کا قول کتاب یا سنت کے زیادہ قریب ہوتا' اس کو قبول کر لیتے۔ لیکن ان سے الگ ہو کر اپنی رائے قائم نہ کرتے۔ اگر صحابہ کرام سے کوئی قول نہ ملتا' تو کسی تابعی کا قول نہ اپناتے' بلکہ جس طرح انہوں نے اجتہاد سے کام لیا وہ بھی اجتہاد سے کام لیتے۔''

امام صاحب کے اس طرز عمل سے یہ بات معلوم ہوئی کہ کتاب و سنت کے بعد صحابہ کرام جو مخاطب اول تھے اور حضور ﷺ کے براہ راست شاگرد تھے' ان کے قول کو ترجیح حاصل ہو گی۔ نیز ان کے استنباط و استخراج میں بھی آپس میں اختلاف ہو سکتا ہے۔ ہر ایک کا حقیقت تک پہنچنا ضروری نہیں ہے اور ان میں اختلاف ہو گا تو محض ان کے مقام و مرتبہ کے لحاظ سے کسی کا قول قبول نہیں کیا جائے گا' بلکہ جس

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی بات کتاب اللہ یا سنت رسول ﷺ سے اقرب ہوگی' اس کو قبول کیا جائے گا۔ گویا معیارِ قبولیت ورد۔ کتاب وسنت ہے اور اس بات کی تائید ان کے اس قول سے بھی ہوتی ہے۔ شاہ ولی اللہ لکھتے ہیں:

﴿سئل ابو حنیفه اذا قلت قولا وکتاب الله یخالفه قال اترکوا قولی بکتاب الله فقیل اذا کان خبر الرسول صلی الله علیه وسلم یخالفه' قال اترکوا قولی بخبر رسول الله صلی الله علیه وسلم فقیل اذا کان قول الصحابة یخالفه قال اترکوا قولی بقول الصحابة﴾

(مقدمہ فتاویٰ دیوبند صفحہ ۶۰)

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے سوال ہوا آپ کے کسی قول کی مخالفت کتاب اللہ سے ہوتی ہو تو پھر کیا کیا جائے......؟ آپ نے فرمایا کتاب اللہ کے مقابلہ میں میرا قول چھوڑ دو۔ پھر سوال ہوا اگر آپ کا قول حدیث کے مخالف ہو تو۔ فرمایا: میرا قول حدیثِ رسول کی خاطر چھوڑ دو۔ پھر سوال ہوا کہ اگر آپ کا قول صحابہ کرام کے قول کی مخالفت کرتا ہو تو......؟ فرمایا قول صحابہ کے مقابلے میں میرا قول چھوڑ دو۔''

آپ کے اس قول سے معلوم ہوا کہ آپ کے کسی قول کا کتاب اللہ وسنت رسول ﷺ یا صحابہ کرام کے مخالف ہونا ممکن ہے' اس لئے امام صاحب فرماتے ہیں کہ:

﴿ایاکم والقول فی دین الله بالرأی وعلیکم باتباع السنة فمن خرج عنها فقد ضل﴾

(ایضاً صفحہ ۶۱)

''اللہ تعالیٰ کے دین میں محض رائے کی بنیاد پر حکم کرنے سے بچو اور سنت کی پیروی کو لازم پکڑو کیونکہ جو اس سے نکلا وہ گمراہ ہوگیا۔''

اور فرماتے تھے ﴿ان توجه لکم دلیل فقولوا به﴾ اگر کوئی دلیل مل جائے تو پھر اس کو اختیار کرو۔ آپ نے اپنی تقلید سے منع کرتے ہوئے فرمایا ﴿لا یحل لا حد ان یأخذ بقولنا مالم یعلم من این اخذناه﴾

(صفۃ الصلوٰۃ للامام البانی صفحہ ۲۴)

''جو ہمارے قول کے ماخذ کو نہیں جانتا' اس کیلئے ہمارے قول کا اختیار کرنا جائز نہیں۔''

باقی آئمہ کا طرز عمل بھی یہی تھا۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

﴿انما انا بشر اخطی واصیب فانظروا فی رایی فکل ما وافق الکتاب والسنة فخذوه وکل ما لم یوافق الکتاب والسنة فاترکوه﴾

(صفۃ الصلوٰۃ صفحہ ۲۶)

''میں انسان ہوں' خطا کر جاتا ہوں اور صحیح بات تک پہنچ بھی جاتا ہوں۔ اس لئے میری رائے پر غور کرو' جو کتاب و سنت کے مطابق ہوا سے اختیار کرلو اور جو کتاب وسنت کے موافق نہ ہوا سے چھوڑ دو۔''

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ

﴿مامن احد الا وتذهب علیه سنة لرسول الله تعزب عنه فمهما قلت من قول او اصّلت من اصل فیه عن رسول الله صلی الله علیه وسلم خلاف ما قلت فالقول ما قال رسول الله صلی الله علیه وسلم وهو قولی﴾ (صفۃ الصلوٰۃ صفحہ ۲۸)

''ہر ایک سے سنت رسول کا علم رہ سکتا ہے اور وہ اس سے مخفی رہ سکتی ہے۔ اس لئے میں نے جو بات کہی ہے یا جو اصول وضع کیا ہے' اگر وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مخالف ہو تو قول وہی ہے جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اور میرا قول بھی وہی ہے۔''

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے:

﴿لاتقلدنی ولا مالکا ولا الشافعی ولا الاوزاعی والثوری وخذ من حیث اخذوا﴾

(صفۃ الصلوۃ صفحہ ۳۱)

''میری مالک کی' شافعی' اوزاعی اور ثوری کی تقلید نہ کرو جہاں سے انہوں نے حکم لیا ہے' وہیں سے تم لو۔''

آئمہ کے ان اقوال سے معلوم ہوا کہ وہ کتاب وسنت کو ہی اصل سمجھتے تھے اور کسی کے قول کے قبول ورد کی کسوٹی ان کے نزدیک یہی ہے کہ ان کا قول کتاب وسنت کے مطابق ہو۔ کتاب وسنت کی موجودگی میں کسی صحابی یا امام کے قول کی ضرورت نہیں۔ لیکن اگر کوئی مسئلہ کتاب اللہ اور سنت رسول میں نہ ہو تو پھر اقوال صحابہ اور اقوال آئمہ کی ضرورت پیش آئے گی۔ اس طرح کتاب اللہ' وسنت رسول ایک ایسا مرکز ہے کہ تمام آئمہ اسی کی طرف لوٹتے ہیں اور یہی ان میں اتحاد واتفاق قائم کرنے کا باعث ہے۔ لیکن امت کی بدقسمتی ہے کہ خلفاء' صحابہ اور آئمہ کے اقوال کو نظر انداز کرتے ہوئے اس مرکز کو چھوڑ دیا گیا' جس سے امت انتشار وافتراق کا شکار ہوگئی اور فرقہ فرقہ تقسیم ہوگئی۔

اعتصام بحبل اللہ کا راز اتباع کتاب اللہ وسنت رسول میں مضمر ہے اور ترک اعتصام بحبل ...... تفریط کا نتیجہ ہے۔ بعض لوگ کتاب اللہ اور سنت رسول کو نظر انداز کرتے ہوئے افراط وغلو کا شکار ہوئے اور ایک فقہی مسلک کی تقلید پر اڑ گئے۔ بعض لوگ خود رائی' آزادروی اور آوارگی کا شکار ہو کر اقوال صحابہ وتابعین اور آئمہ کو نظر انداز کرتے ہوئے خود استنباط واستخراج سے کام لینے لگے اور تفریط وکوتاہی کا شکار ہوئے۔ اس طرح امت کی وحدت پارہ پارہ ہو کر رہ گئی۔ اگر کتاب اللہ اور سنت رسول کو بنیاد بنا کر صحابہ' تابعین اور آئمہ کے اقوال کو ملحوظ رکھتے ہوئے اجتماعی طور پر نئے پیش آمدہ مسائل پر رائے قائم کرنے کا اہتمام ہوتا تو افراط وتفریط کے نقصانات سے امت محفوظ رہتی اور اتفاق واتحاد بھی قائم رہتا۔

تقلید وجمود کے بدنتائج

تقلید شخصی کے نتیجہ میں تعصب اور ہٹ دھرمی نے سر اٹھایا اور ہر صورت میں اپنے امام کی بات کو ثابت کرنے کی کوشش کی گئی اور اس کی عظمت وتوقیر کی خاطر احادیث وضع کرنے سے بھی دریغ نہ کیا گیا۔

احمد بن مامون سے کسی نے کہا کہ خراسان میں امام

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

شافعی کی تکریم میں اضافہ ہو رہا ہے اور ان کے پیروکار بڑھ رہے ہیں تو اس نے فوراً حدیث گھڑ لی:

﴿یکون فی امتی رجل یقال له محمد ابن ادریس اضرُّ علی امتی من ابلیس و رجل یقال له ابو حنیفه هو سراج امتی﴾

''میری امت میں ایک محمد بن ادریس نامی انسان ہوگا' جو میری امت کیلئے ابلیس سے بھی زیادہ نقصان دہ ثابت ہو گا اور ایک ابوحنیفہ نامی انسان ہوگا' وہ میری امت کا چراغ ہے۔اسی طرح اور حدیثیں وضع کی گئیں۔''

اپنے امام کے قول کے ہر حالت میں صحیح ہونے اور دوسرے امام کے قول کے خطا ہونے کا اعتقاد رکھا گیا۔

﴿اذا سئلنا عن مذهبنا و مذهب مخالفينا في الفروع يجب علينا ان نجيب بان مذهبنا صواب يحتمل الخطاء و مذهب مخالفينا خطأ يحتمل الصواب لانک لو قطعت القول لما صح قولنا ان المجتهد يخطئ ويصيب﴾

اگر ہم سے ہمارے اور ہمارے مخالف حضرات کے مسلک کے بارے میں سوال ہو' فقہی مسائل میں' تو ہم پر لازم ہے کہ ہم یہ جواب دیں کہ ہمارا مذہب درست ہے' لیکن غلطی کا امکان ہے اور ہمارے مخالفوں کا مذہب غلط ہے۔صحت کا امکان ہے یہ اس لئے کہ اگر دوٹوک بات کی جائے تو پھر ہمارا یہ قول درست نہیں ہوگا کہ مجتہد کا قول خطا و صواب کا احتمال رکھتا ہے۔لیکن اگر سوال عقیدوں کے بارے میں ہو:

﴿و اذا سئلنا عن معتقدنا و معتقد خصومنا في عقائد يجب علينا ان نقول الحق ما نحن عليه الباطل ما عليه خصومنا هكذا نقل عن المشائخ حمهم الله﴾

(الا شباه والنظائر مع شرحه للحموی ۲۵۹/۲۶۰ ج ۲)

جب ہم سے ہمارے اور ہمارے مخالفین کے عقائد کے بارے میں سوال ہو تو ہم پر لازم ہے کہ ہم یہ کہیں حق وہی ہے جو ہمارا عقیدہ ہے اور جس پر ہمارا مخالف ہے' وہ باطل اور ناحق ہے۔

گویا فروع اور فقہیات میں تو یہ مہربانی کی گئی کہ ہماری بات غلط ہوسکتی ہے اور فریق مخالف کی بات صحیح۔لیکن اصول اور عقائد میں اپنی بات کے غلط ہونے کا امکان ہی نہیں اور دوسروں کی بات صحیح نہیں ہوسکتی۔حتیٰ کہ آئمہ کی تقلید کے سلسلہ میں اس قدر غلو سے کام لیا جانے لگا کہ ان کا قول اگر کسی آیت یا حدیث کے مخالف ہے' تو اس کی طرف کوئی توجہ نہیں دیگئی۔امام فخر الدین رازی جو خود مقلد اور شافعی ہیں' اس بات کا رونا روتے ہوئے لکھتے ہیں:

﴿قال شيخنا و مولانا خاتمه المحققين و المجتهدين رضى الله عنه قد شاهدت جماعة من مقلدة الفقهاء وقرات عليهم آيات كثيرة من كتاب الله في بعض المسائل و كانت مذاهبهم يخالف تلک الآيات فلم يقبلوا تلک الآيات ولم يلتفتوا اليها وبقوا ينظرون اليَّ كا المتعجب يعني كيف يمكن العمل بظواهر هذه الآيات مع ان الرواية عن سلفنا وردت على خلافها ولو تاملت حق التامل وجدت هذا الداء ساريا في عروق الاكثرين من اهل الدنيا

(تفسير كبير الجز الرابع الطبعة الاولى صفحہ ۴۳۶)

میرے استاد محترم خاتمۃ المحققین والمجتہدین نے بتایا کہ میں نے فقہاء کے مقلدوں کی ایک جماعت کو دیکھا کہ میں نے بعض مسائل کے بارے میں ان کو قرآن کی بہت سی آیات سنائیں' لیکن ان کے مذہب ان کی آیات کے مخالف تھے تو انہوں نے ان آیات کو قبول نہ کیا اور نہ ان پر توجہ دی اور مجھے حیرت و استعجاب کی نظروں سے دیکھنے لگے۔گویا یوں کہنا چاہتے ہیں کہ ان آیات کے ظاہری معانی پر عمل کیسے ہوسکتا ہے' حالانکہ ہمارے اسلاف کی نقل و روایت اس کے خلاف ہے۔اے مخاطب اگر آپ پوری طرح غور و فکر سے کام لیں تو آپ کو معلوم ہو جائے گا یہ بیماری اہل دنیا کی اکثریت کی رگوں میں سرایت کر چکی ہے۔

بلکہ بعض دفعہ حق بات کی صحت تسلیم کرنے کے باوجود اپنے امام کی غلط بات پر اڑ جاتے ہیں۔شیخ الہند تقریر ترمذی صفحہ ۳۹ پر تحریر کرتے ہیں

﴿الحق و الانصاف ان الترجيح للشافعي في هذه المسئلة و نحن مقلدون يجب علينا تقليد امامنا﴾

حق و انصاف یہی ہے کہ اس مسئلہ میں ترجیح امام شافعی کی رائے کو حاصل ہے' لیکن ہم مقلد ہیں۔ہم پر اپنے امام کی تقلید واجب ہے۔

(۴) اس اعتراف کے باوجود ﴿المجتهد يخطي ويصيب﴾ دوسرے آئمہ کی تجہیل و تکفیر کرتے ہیں۔اصول بزدوی میں ہے کہ:

﴿و كذالک جهل من خالف في اجتهاده الكتاب والسنة من علماء الشريعة و ائمه الفقه او عمل بغريب السنة على خلاف الكتاب والسنة المشهورة فمردود باطل ليس بعذر اصلا﴾

(بحوالہ تحریک آزادی فکر صفحہ ۸۸)

اسی طرح وہ لوگ جنہوں نے علمائے الشریعہ اور آئمہ فقہ میں سے ہوتے ہوئے کتاب وسنت کے مخالف اجتہاد کیا ہے یا کتاب اور سنت مشہورہ کی مخالفت کر کے غریب حدیث کو قبول کیا ہے یہ جہالت مردود اور باطل ہے۔عنداللہ عذر نہیں بن سکتی۔پھر آگے داؤد ظاہری' امام مالک' امام احمد بن حنبل اور امام شافعی کے کچھ مسائل بیان کئے ہیں جو ان آئمہ کی جہالت ہیں۔تو کیا؟ اگر ان آئمہ کی بات کتاب و سنت کے خلاف جہالت پر مبنی ہوسکتی ہے تو امام ابوحنیفہ' امام ابو یوسف اور محمد اس طعن و تشنیع کے نشتر سے بچ سکتے ہیں۔ابوبکر الرازی الجصاص' امام داؤد الظاہری کے بارے میں لکھتے ہیں:

﴿انه اجهل من العامي و اسقط من البهيمه﴾

ایک عامی سے جاہل اور حیوان سے کم مرتبہ ہے۔

علامہ کوثری اپنے ایک ممدوح و محبوب سے نقل کرتے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہیں ﴿والذی یغلب علی الظن ان ما یصدر من ابن حزم من هذا الکفر العظیم یقول من الهذیان والتخرص والبهتان لا یکون منه فی حال السلامة من عقل والصحة من ذهن﴾

(الاشفاق فی مسئلۃ الطلاق الثلاث صفحہ ۱۷)

ظن غالب یہ ہے کہ ابن حزم سے یہ کفر عظیم کی جو باتیں نکلتی ہیں اور جو اس نے بکواس، اٹکل پچو اور الزام تراشی کی ہے، وہ عقل کی سلامتی اور ذہن کی تندرستی کی صورت میں صادر نہیں ہو سکتی۔

علامہ کوثری حافظ ابن تیمیہ کے مزعومہ قبائح وفضائح نقل کرنے کے بعد لکھتا ہے:

﴿ومع هذا کله ان کان هو لا یزال بعد شیخ الاسلام فعلی الاسلام السلام﴾ (الاشفاق صفحہ ۸۹)

"ان کے باوجود اگر ابن تیمیہ کو شیخ الاسلام تصور کیا جائے تو ایسے اسلام سے ہم باز آئے۔"

آگے ابن قیم، شوکانی، نواب صدیق حسن کے خلاف جس بغض وعناد کا اظہار کیا ہے۔ ہم اسے لکھنے کی ہمت و حوصلہ نہیں رکھتے۔

ان مقلدین کے نزدیک نصوص کے فہم وتعقل اور عمل کا دروازہ آئمہ اربعہ کے بعد بند ہے۔ اب کوئی اپنے طور پر کسی آیت یا حدیث کا معنی سمجھ کر عمل نہیں کر سکتا۔ الشیخ احمد الصاوی المالکی رقمطراز ہیں:

﴿ولا یجوز تقلید ما عدا المذاهب الاربعة ولو وافق قول الصحابة والحدیث الصحیح والآیة فالخارج عن المذاهب الاربعة ضال مضل وربما اداه ذالک الکفر لان الاخذ بظواهر الکتاب والسنة من اصول الکفر﴾

(الصاوی علی الجلالین الجزء الثالث، صفحہ ۹)

مذاہب اربعہ کے سوا کسی کی تقلید جائز نہیں۔ اگرچہ اس کی بات صحابہ کے قول یا صحیح حدیث یا آیت کے موافق ہو یہ چیز بعض دفعہ کفر کا باعث بن سکتی ہے۔ کیونکہ کتاب وسنت کے ظاہری معنی کو لینا کفر ہے۔ معلوم ہوتا ہے اللہ تعالیٰ نے قرآن وسنت کے نصوص کا تعقل وتدبر آئمہ اربعہ پر بند کر دیا ہے، نہ ان سے پہلے کسی کو قرآن وسنت کے سمجھنے کی توفیق حاصل ہوئی اور نہ ان کے بعد اب تک کوئی اس کو سمجھ سکا ہے۔ قرآن وسنت کے ظاہری معنی لینا تو کفر ہے اور آئمہ اربعہ کے اقوال کے ظاہری معنی لینا عین دین ہے۔ حضور اکرم ﷺ کے دور سے لے کر آئمہ اربعہ کے دور تک نئے نئے مسائل پیش آتے رہے ہیں۔ اس لئے آئمہ کے استخراج و استنباط کی ضرورت تھی، لیکن اب قیامت تک کوئی نیا مسئلہ پیش نہیں آ سکتا۔ اس لئے آئمہ اربعہ پر اجتہاد کا دروازہ بند ہو گیا ہے۔ قرآن جو فصیح عربی میں ہے اور پیغمبر جو افصح العرب اور ابین العرب ہیں۔ ان کی توضیح وتفصیل تو سمجھ میں نہیں آ سکتی۔ حالانکہ انہیں کتاب اللہ دے کر بھیجا ہی اس لئے گیا ہے کہ اہل علم کو قرآن کے تدبر وتفکر کا راستہ بتائیں اور قرآن مجید بار بار تعقل، تدبر اور تفکر کی دعوت دیتا ہے۔ انکو تو سمجھنا اور ان کے ظاہری معنی لینا کفر ہے، لیکن فقہا کی مغلق اور خشک عبارتوں کو سمجھنا آسان ہے۔ اس طرح اسلام گویا ایک بانجھ دین ہے کہ اس نے صرف چار عبقری انسان پیدا کر دیئے۔ اب نعوذ باللہ تعالیٰ ایسے اور عبقری انسان پیدا کرنے سے عاجز آ گیا ہے۔ گویا جس طرح نبوت ختم ہو چکی ہے، اسی طرح قرآن وسنت کی ترجمانی وتعبیر بھی آئمہ پر ختم ہو چکی ہے۔

(۴) اقوال آئمہ اصل ٹھہرتے ہیں اور ان کے اقوال وارشادات اور نصوص کتاب وسنت کے درمیان اختلاف و تعارض کی صورت میں تاویل اور توڑ پھوڑ نصوص کا حصہ ٹھہرتا ہے، لیکن اس کے باوجود دعویٰ یہ ہے کہ اصل مطاع کتاب و سنت ہیں۔ آئمہ تو ان کے خادم اور تعبیر کنندہ ہیں۔ امام کرخی فرماتے ہیں کل آیۃ اور کل حدیث ﴿یخالف مذهبنا فهو منسوخ او مؤول﴾ ہر وہ آیت یا ہر وہ حدیث جو ہمارے مذہب کے خلاف ہے، منسوخ ہے یا مؤول ہے۔ اس بنا پر بے شمار آیات اور احادیث کی تاویل اپنے اپنے ائمہ کے اقوال کی روشنی میں کی جاتی ہے۔ امام کے قول کا ظاہری معنی لیا جاتا ہے۔ اس میں کسی قسم کی تاویل کی ضرورت پیش نہیں آتی۔ لیکن نصوص کو موم کی ناک سمجھ کر مروڑ کر اقوال آئمہ کے مطابق کر لیا جاتا ہے، یا کسی اور طریقہ سے گلوخلاصی کرالی جاتی ہے۔

(۵) احادیث صحیح کی تغلیط وتردید

اپنے امام کے قول کی خاطر صحیح احادیث کو رد کر دیا جاتا ہے۔ اس کیلئے مختلف حیلے اور بہانے تراشے جاتے ہیں۔

﴿قضا بالشاهد والیمین﴾ کے بارے میں کہا گیا ہے یہ بدعت ہے اور یہ بدعت سب سے پہلے حضرت معاویہ نے نکالی۔ حالانکہ یہ مسلم کی روایت ہے کہ:

﴿ان رسول الله صلی الله علیه وسلم قضی بالیمین والشاهد﴾

اور حدیث مُصراۃ جو متفق علیہ ہے، اس کے بارے میں کہا گیا، یہ قیاس صحیح کے بالکل مخالف ہے۔ اس لئے قابل قبول نہیں۔ کیونکہ اس کا راوی غیر فقیہہ ابو ہریرہ ہے، لیکن اسی غیر فقیہہ کی ضعیف روایت کہ قہقہہ سے نماز اور وضو ٹوٹ جاتا ہے، قبول کر لی گئی اور یہ تصریح بھی کی گئی ہے، یہ بات خلاف قیاس ہے۔ لیکن نص کی بناء پر ہم قیاس کو چھوڑ رہے ہیں۔ یہی بات بھول کر کھانے اور پینے کی روایت کے بارے میں کہی گئی۔ یہ روایت خلاف قیاس ہے۔ لیکن امام صاحب کے نزدیک ضعیف حدیث بھی قیاس ورائے پر مقدم ہے۔ لیکن یہ قاعدہ حدیث مُصراۃ کے بارے میں معلوم نہیں، کیوں یاد نہیں رکھا گیا۔ حالانکہ اس حدیث کی تائید تو حضرت عبداللہ بن مسعود بھی فرماتے ہیں۔ جن کو فقیہہ امت قرار دیا گیا ہے۔

(۶) عقلی وفکری جمود

کہ حکم ومصالح کو نظر انداز کرتے ہوئے آئمہ کی بات کو بلا سوچے سمجھے قبول کر لیا گیا۔ مثلا الاشباہ والنظائر ۳۱۷، ۳۱۸ مع الحموی میں لکھا ہے:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

﴿لا يجب عليه ان يوضئ امراته المريضة بخلاف عبده و امته﴾

مریضہ بیوی کو وضو کرانا ضروری نہیں، لیکن مریض غلام اور لونڈی کو وضو کرانا ضروری ہے۔ حالانکہ قرآنی نص ہے ﴿قوا انفسكم و اهليكم نارا﴾ اور حدیث ﴿كلكم راع و كلكم مسئول عن رعيته﴾ کے تحت انسان اپنی بیوی کے بارے میں جواب دہ ہے۔ آگے لکھا ہے ﴿ولو نظر المصلی الی المصحف وقرأ منه فسدت صلوته لا الی فرج امرأة بشهوة لان الاول تعليم و تعلم لا الثانی﴾ کہ اگر نمازی نماز میں مصحف کو دیکھ کر قرات کرے تو اس کی نماز فاسد ہوگئی، لیکن اگر عورت کی شرمگاہ کی طرف شہوت سے دیکھے تو نماز فاسد نہیں ہوگی، کیونکہ قراۃ فی المصحف تعلیم وتعلم ہے۔ اور فرج مرأۃ کی طرف دیکھنا یہ تعلیم وتعلم نہیں، گویا قرآن کا تعلم وتعلیم تو خشوع وخضوع کے منافی ہے اور شہوت بھری نظروں سے عورت کی شرمگاہ دیکھنا خشوع پیدا کرتا ہے۔ جبکہ ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اپنے غلام ذکوان سے نماز میں مصحف سے قرآن سنتی تھیں۔ گویا ایک جلیل القدر ازواج مطہرات کا فعل تو حجت نہیں، لیکن ایک عقلی ڈھکوسلہ قابل قدر ہے۔ اگلے صفحہ ۳۱۸، ۳۱۹ پر رقمطراز ہیں:

﴿لو دل المحرم علی قتل صيد لزمه الجزاء ولو دل علی قتل مسلم لا والفرق ان الاول محظور احرام والثانی محظور بكل حال﴾

اگر محرم شکار کے قتل کی رہنمائی کرے تو اس پر جزاء ولازم ہوگئی، لیکن اگر قتل مسلم پر دلالت کرے تو نہیں، کیونکہ شکار کرنا احرام میں ممنوع ہے اور قتل مسلم ہر حالت میں ناجائز۔

گویا جو چیز صرف احرام کی بناء پر ممنوع ہے اور آگے پیچھے جائز ہے، اس کے ارتکاب پر تو سزا ہے۔ کیونکہ وہ سنگین جرم ہے اور قتل مسلم جو ہر حالت میں ممنوع ہے اور انتہائی سنگین جرم ہے۔ اس پر کوئی مواخذہ نہیں۔ وہ قتل صید کے مقابلہ میں انتہائی ہلکا اور بے ضرر فعل ہے۔

کتاب الحیل ظاہر پرستی اور حرفیت پسندی کا ثبوت دیتے ہوئے حیل کو ایک مستقل فن کی شکل دی گئی اور دینی مصالح وحکم کو نظر انداز کرتے ہوئے جب کہ وہ دین میں مطلوب ہیں، زندگی کے مختلف پہلوؤں کے بارے میں حیلے مرتب کئے گئے۔ الاشباہ والنظائر کا فن خامس صرف حیل کیلئے مخصوص ہے۔ جس میں نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، فدیہ نکاح، طلاق، خلع، ایمان، اعتاق اور اس کے توابع، وقف، صدقہ، شرکۃ، ہبۃ، بیع وشراء استبراء، مداینات، اجارات، منع الدعوی، وکالۃ، شفع، صلح، کفالۃ، حوالۃ، رہن وصایا تک کے سلسلے میں حیلہ جات تحریر کئے گئے ہیں۔ گویا زندگی کا کوئی اہم شعبہ حیل سے محروم نہیں رہا۔ اس طرح دنیا کی خاطر آخرت کو تباہ کرنے کی ترغیب فراہم کی گئی ہے، تاکہ جو صاحب ذوق چاہے وہ ان سے فائدہ اٹھالے۔

(۸) صحیح احادیث سے جان چھڑانے کیلئے اصول وضوابط کی ترتیب وتدوین

شاہ ولی اللہ نے حجۃ اللہ صفحہ ۱۴۰ پر اصول بزدوی سے چند اصول نقل کئے ہیں، جن کے تسلیم کر لینے کی صورت میں بہت ساری احادیث کی اہمیت کو کم کر دیا گیا ہے، یا بالکل نظر انداز کر دیا گیا ہے، حالانکہ وہ اصول وقواعد کتاب وسنت کی کسی نص، یا صحابہ وتابعین سے منقول نہیں۔ بلکہ ائمہ احناف ابوحنیفہ، ابو یوسف اور محمد رحمھم اللہ سے بھی منقول نہیں ہیں۔ محض تخریج کر کے ان کی طرف منسوب کر دیئے گئے ہیں۔ پھر ان کو اس قدر اہمیت دی جاتی ہے کہ وہ اصول نہ ٹوٹیں (جہاں ضرورت ہو) چاہے حدیث کا تقدس مجروح ہو جائے۔

ان اصول کے نقل کرنے کے بعد شاہ صاحب نے ان پر تنقید فرمائی ہے اور واضح کیا ہے کہ ان کو صرف بوقت ضرورت یعنی جب کہ امام صاحب کے کسی قول کی حفاظت و موافقت مقصود ہو کام میں لایا جاتا ہے۔ اگر اس کی ضرورت نہ ہو تو پھر ان کو طاق نسیاں کے حوالے کر دیا جاتا ہے۔ اور ان کی پابندی کا خیال تک نہیں کیا آتا۔ شاہ ولی اللہ کے مسند نشین اور فرزند اکبر شاہ عبدالعزیز قمطراز ہیں۔

(فتاویٰ عزیزیہ بحوالہ تحریک آزادی فکر صفحہ ۱۱۸)

”ان عجائبات میں سے جو کسی بحث وتمحیص کے ماہر کو کم ہی میسر آئے ہیں، وہ چند قواعد ہیں، جو متاخرین نے امام ابو حنیفہ کی رائے کی حفاظت کیلئے گھڑ لئے ہیں، جن سے ان تمام احادیث کو رد کر دیا جاتا ہے جو احناف کے خلاف پیش کی جاتی ہیں۔“

اس کے بعد اس قسم کے نو اصول بیان کئے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے ابوحنیفہ کی کسی بات کو نہیں چھوڑ جا سکتا۔ گویا نعوذ باللہ امام رسول ہے اور رسول امام۔ حالانکہ سیدھی سادھی بات تھی کہ امام کے اقوال کی تاویل وتوجیہ کر لی جاتی اور صحیح احادیث کو بلا تاویل وتحریف قبول کر لیا جاتا۔

خودرائی، آزادروی کے نقصانات

قرآن وسنت کے فہم کیلئے ان میں مہارت حاصل کرنے کی ضرورت نہیں۔ سنت کو نظر انداز کرتے ہوئے قرآنی نصوص کو سمجھا جا سکتا ہے۔ نیز صحابہ کرام جو اس کے مخاطب اول تھے، جنہوں نے براہِ راست رسول سے قرآن پڑھا اور سمجھا ان کے اقوال کی بھی ضرورت نہیں اور سنت کے فہم کے لئے صحابہ و تابعین کے اقوال معلوم کرنے کی ضرورت نہیں، حالانکہ وہی سنت کے راوی اور ناقل ہیں اور خیر القرون سے تعلق رکھتے ہیں۔

لیکن ہر انسان کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ دین کی تھوڑی بہت سوجھ بوجھ حاصل کرے یا عربی زبان وادب میں مہارت پیدا کرے۔ اس کے بعد قرآن وسنت سے جو چاہے مستنبط کرتا جائے اور اس کا نتیجہ سوائے انتشار وافتراق اور بدعات ومحدثات کچھ نہیں نکل سکتا اور قرآن وسنت کا صحیح فہم بھی ممکن نہیں ہے۔ تمام بدعتی فرقوں نے اپنے عقائد و مسائل کے اثبات کیلئے بھی یہی طریقہ اپنایا ہے اور قرآن و سنت کے بعض دفعہ عجیب عجیب معانی پیدا کر لئے گئے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قرآنی آیات کے غلط معانی لینے کی چند مثالیں

﴿ان الذین امنوا والذین ھادوا والنصاری والصابئین من امن باللہ والیوم الآخر وعمل صالحاً فلھم اجرھم عند ربھم ولا خوف علیھم ولا ھم یحزنون﴾ سے ثابت کیا گیا ہے کہ نجات کیلئے حضور اکرم ﷺ پر ایمان لانا ضروری نہیں ہے۔ جو لوگ اپنے نبیوں کی تعلیمات پر عمل پیرا ہوں اور ان کے صحیفوں کو اپنا لیں' وہ نجات پا جائیں گے۔ حالانکہ یہ معنی قرآن وسنت کی نصوص کے بالکل خلاف ہے۔

﴿فان طلقھا فلا تحل لہ من بعد حتی تنکح زوجا غیرہ﴾ سے استدلال کیا گیا ہے کہ پہلے خاوند سے نکاح کرنے کیلئے نئے خاوند سے محض نکاح کافی ہے۔ تعلقات قائم کرنا ضروری نہیں ہے اور یہ معنی احادیث اقوال صحابہ وائمہ کے خلاف ہے۔

﴿لاتدرکہ الابصار وھو یدرک الابصار﴾ کہ دنیا و آخرت میں دیدارِ الٰہی ممکن نہیں۔

حالانکہ آخرت میں دیدارِ الٰہی کے سلسلہ میں صحیح احادیث وارد ہیں۔

﴿فانکحوا ما طاب لکم من النساء مثنی وثلاث وربع﴾ سے ۱۸ اور ۹ بیویوں کے بیک وقت نکاح میں رکھنے کیلئے استدلال کیا گیا ہے' جو احادیث صحیحہ اور اجماع امت کے منافی ہے۔

اسی طرح اور بہت سی آیات ہیں' جن سے عجیب مسائل کا استنباط کیا گیا ہے۔ اقوال سلف کو نظر انداز کرتے ہوئے احادیث کے عجیب معانی لینے کی چند مثالیں

﴿من استجمر فلیوتر﴾ جو استنجا کرے وتر پڑھے۔

﴿نھی النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن التحلق قبل الصلوۃ یوم الجمعۃ﴾ جمعہ کے دن نماز سے پہلے سر منڈانا جائز نہیں۔

﴿صل النبی صلی اللہ علیہ وسلم الی العنزہ﴾ نبی اکرم ﷺ نے بنوعنزہ قبیلہ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھی۔

﴿ان الظلم ظلمات یوم القیامۃ﴾ مسجد میں تاریکی رکھنا۔ قیامت کے دن بہت سی تاریکیوں کا باعث ہو گی۔

حرفیت پسندی کا کرشمہ

﴿الولد للفراش وللعاھر الحجر﴾ ایک مغربی مرد کسی مشرقی عورت سے شادی کرے اور ان کی آپس میں ملاقات نہ ہو اور ۶ مہینہ کے بعد بچہ پیدا ہو جائے تو وہ اس خاوند کا ہوگا' کیونکہ اس کی بیوی کے بطن سے پیدا ہوا ہے۔

﴿نھی النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن البول فی الماء الداکن﴾ حضور اکرم ﷺ نے ٹھہرے ہوئے پانی میں بول کرنے سے منع فرمایا ہے۔ پاخانہ سے منع نہیں کیا' اس لئے وہ جائز ہے۔

صحیح روش

ملت وقوم میں اتحاد و اتفاق پیدا کرنے کی ایک ہی صورت ہے' کہ ہر چیز کو اس کا صحیح مقام ومرتبہ دیا جائے۔ کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ کو مرکز بنایا جائے اور تمام اقوال کے قبول ورد کیلئے اسے معیار قرار دیا جائے۔ قرآن و سنت کے فہم میں اقوال صحابہ وتابعین اور اقوال ائمہ کو ملحوظ رکھا جائے۔ اس کیلئے فقہاء' محدثین نے افراط وتفریط سے بچتے ہوئے جن اصولوں کو وضع کیا ہے' ان کو پیش نظر رکھا جائے۔

بقول شاہ ولی اللہ وہ اصول یہ ہیں:

۱۔ قرآن حکیم میں کوئی حکم صراحت سے موجود ہو تو کسی اور طرف دیکھنے کی ضرورت نہیں۔

۲۔ قرآن اگر چند معانی کا متحمل ہے تو معنی کا تعین سنت کی روشنی میں کیا جائے گا۔

۳۔ اگر قرآن میں کوئی حکم صراحت سے موجود نہیں تو عمل سنت پر ہوگا۔ وہ سنت فقہاء میں متعارف ہو یا متعارف نہ ہو کسی نے اس پر عمل کیا ہو یا نہ کیا ہو۔

۴۔ جب کسی مسئلہ میں صحیح حدیث مل جائے تو کسی مجتہد یا امام کے مخالف قول کی پرواہ نہیں ہوگی۔

۵۔ جب پوری محنت اور کوشش کے باوجود صحیح حدیث نہ ملے تو صحابہ اور تابعین کے قول کو ملحوظ رکھا جائے گا۔ کسی علاقہ یا شہر کے صحابہ وتابعین کی تخصیص نہیں کی جائے گی۔ اگر ان کا اتفاق ہو تو ٹھیک ہے' ورنہ اکثریت کے قول کو اختیار کیا جائے گا۔

۶۔ اگر جمہور خلفاء اور فقہا متفق ہوں تو اسے کافی سمجھا جائے گا۔

۷۔ اگر فقہاء میں اختلاف ہو تو زیادہ متقی اور پرہیز گار اور ضابط کی حدیث قبول کی جائے گی یا ان کے مشہور قول کو اپنا لیا جائے گا۔

۸۔ اگر کسی مسئلہ میں دو قول موجود ہوں اور وہ ہر حیثیت سے برابر ہوں تو ان دونوں کو قبول کر لیا جائے گا۔

۹۔ اگر اس طرح کام نہ بن سکے تو قرآن وسنت کے عمومات' ایماآت' اقتضاآت پر غور وفکر کیا جائے گا اور ایک مسئلہ کے حکم کو اس سے ملتے جلتے دوسرے مسئلہ پر محمول کیا جائے گا' لیکن اس کیلئے محض اصول کی پابندی نہیں کی جائے گی۔ بلکہ اطمینانِ قلب اور تسکین ضمیر کا پاس ہوگا۔

(حجۃ اللہ صفحہ ۱۴۹ ج ۱)

اب موجودہ دور میں جدید مسائل کا حل اس طرح نکالا جا سکتا ہے' اگر قرآن وسنت سے صراحت ثابت نہ ہو۔ تو صحابہ تابعین اور بعد کے آئمہ کے اقوال پر نظر دوڑائی جائے گی۔ اگر ان سے کوئی قول منقول ہو' جو کتاب وسنت کے خلاف نہ ہو اور ہمارے حالات کے موافق ہو تو اس کو قبول کر لیا جائے گا۔ اگر وہ ایسا مسئلہ ہے جس کے بارے میں سلف سے کچھ منقول نہیں تو کتاب وسنت کو اساس و بنیاد بنا کر ماہرین قرآن وسنت کی ایک کمیٹی تشکیل دی جائے جو ان کا حل نکالے۔ جدید قوانین کے ماہرین ان کو نئی تعبیر اور عصری تقاضوں کے مطابق قانون کی زبان میں مرتب کریں۔

یہ چند معروضات ہیں' جو دعوتِ فکر کے طور پر پیش کی گئی ہیں۔ ﴿ان ارید الا الاصلاح ما استطعت وما توفیقی الا باللہ﴾

© rasailojaraid.com